اُردو اور پاکستانی زبانوں کے مشترک عناصر کا مختصر جائزہ

ڈاکٹر محمد افضال بٹ
انچارج فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ
ڈاکٹر طاہر عباس طیب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

Abstract

Language is the invention of human social and societal needs. Every language determines its evolutionary stages through social life and under its influence changes its form and meaning. The story of the rise and fall of a language should be understood as the history of the rise and fall of a nation. The point is that language, like its speakers, is bound by its social stimuli and factors. In addition, just as it is necessary for an individual or a nation and country to establish maximum relations not only with its neighbors or nations but also with distant countries and nations.

In the same way, it is necessary for a living language to keep increasing its connection with other languages and to keep the avenues of use and translation open. Without it, no nation or language can play its role in international affairs. Therefore, it is essential for languages to use each other. Perhaps this is why even the most advanced language in the world cannot claim to be completely devoid of the influences or words of other languages.

The Urdu language is no exception to this law of nature, but its very foundation is based on the association of different languages, namely, Punjabi, Hindi, Khrushchev, Sindhi, Pashto, Balochi and Seraiki. Later it absorbed many words of Arabic, Persian, English and Turkish and today it is an association of languages in terms of its temperament and its structure in which the doors of participation are equally open to the words of each language. Have happened.

KEY WORD:
Language is the invention of human social and societal needs, Urdu language is no exception to this law of nature, namely, Punjabi, Hindi, Khrushchev, Sindhi, Pashto, Balochi and Seraiki.

زبان انسانی اظہار کا ذریعہ ہے۔ تمام زبانیں اللہ نے خلق کی ہیں۔ ''زبان'' جو بڑی اہمیت رکھتی ہے یہ وہ خاص صفت ہے جو انسان کو دوسرے زندہ عالم سے نمایاں بھی کرتی ہے۔ آج انسان جس ترقی پر پہنچا ہے اس میں زبان اور کتاب کا ایک بڑا حصہ ہے۔ انسانی ترقی میں زبان انسان کی ایسی حاجت اور ضرورت ہے کہ کوئی اور حاجت اس کے برابر نہیں زبان کی مختصر ترین تعریف بھی یہ ہے کہ زبان ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ایک انسان دوسرے انسان سے ہم کلام ہو کر اپنے جذبات و احساسات کی عکاسی کرتا ہے۔ زبان اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ انسانی شخصیت میں یہ ایک اہم مظہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان کے بغیر شعر، فلسفہ اور سائنس کا کوئی وجود نہ ہوتا۔ زبان نے ہی حضرتِ انسان کو خالقِ کائنات کی پہچان کروائی ہے بلکہ زبان ہی کی بدولت انسان کو وہ مقام و مرتبہ میسر آیا جو کسی اور مخلوق کا خاصہ نہ ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ه (۳۰:روم:۲۲

شسے ہے آسمانوں اور زمین کا خلق کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہلِ عالم کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) آیات (یعنی نشانیاں) ہیں۔1

یہ حقیقت ہے کہ اچھی زندگی ہمیں زبان کے طفیل نصیب ہوئی ہے۔ قوّتِ تکلّم انسانی شرف کا ایک امتیازی وصف ہے۔ یہ قوّت اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ بعض اوقات اسے واحد امتیازی وصف کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسان حیوانِ ناطق ہے۔ نطق یعنی قوت گویائی انسان اور حیوان کی ہم نوعی کے باوصف واحد وجہِ امتیاز قرار پاتی ہے دُنیا بھر میں ان گنت زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بہتوں کا تو ہمیں علم نہیں نا جانے کتنی زبانیں قصہ گم نامی میں کھو چکی ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور اُردو کے پہلے دانشور ہیں۔ زبان کی ماہیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

'زبان خیالات کا ذریعہ ہے۔۔۔ خیالات کی ترجمانی کے لیے نطق یا قوت گویائی ہی ایک مکمل ترین اور سب سے واضح ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔'' 2

زبان کا استعمال اپنے جذبات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ''ہادی حسین'' نے زبان کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے

"زبان علامتوں کا ایک نظام ہے ۔ جو انسانوں کے درمیان ابلاغ کا ذریعہ ہوتا ہے یا بن سکتا ہے۔3

ہر زبان کے ساتھ متعلقہ قوم کی تہذیب و تمدن اور تاریخ و روایات وابستہ ہوتی ہیں۔ ہر ملک کی قومی زبان اس کے قومی تشخص کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ قومی زبان اور قومی تشخص میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے،اس لیے جب پاکستان بنا تو ایک دوسرے سے بات چیت اور تبادلہ خیال کے لیے اُردو زبان قومی زبان کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ اُردو زبان آغاز اور معنی "اُردو بمعنی زبان کا لفظ سب سے پہلے 1796 میں استعمال ہوا۔4

اُردو کے آغاز و ارتقاء کا سلسلہ عام طور پر ہندوستان میں ہوا ۔ مُسلمانوں کی آمد اور ان کے یہاں سکونت سے جوڑا جاتا ہے۔ مُسلمانوں کی دہلی آمد اور ہند آریائی زبانوں کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کر دیا۔ اور اُن کے یہاں قیام کرتے ہی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں چمک اُٹھیں۔ اُردو بھی اُن میں ایک ہے۔ جو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ اسے پاکستانی اُردو بھی کہتے ہیں۔5

شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور پھر دہلی میں ان کی حکومت 1193 کے بعد ہندوستان کے مقامی باشندوں اور نو وارد مسلمانوں کے باہمی اختلاط اور میل جول سے ایک نئی زبان وجود میں آئی۔ جو مختلف ادوار میں ہندوی، ریختہ، دکنی اور پھر اردو کے نام سے مشہور ہوئی۔ چوں کہ باہر سے آنے والے مسلمانوں کی زبان ترکی، فارسی اور عربی تھی۔ آریوں نے سنسکرت کو سرکاری زبان کی حیثیت دے رکھی تھی لیکن وہ عام بول چال کی زبان کا مقام حاصل نہ کر سکی۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ وہ اسے پسند بھی نہیں کرتے تھے، لیکن مسلمانوں کا مسئلہ اس کے برعکس تھا۔ انھوں نے آتے ہی اپنی ترکی، فارسی، عربی زبانوں پر ہندوستانی رنگ کا اثر قبول کرنا شروع کر دیا۔ جس سے ایک نئی تہذیب پروان چڑھنے لگی۔ اب چوں کہ زبانوں کا تعلق انسانوں کے تہذیبی، تمدنی، معاشرتی ارتقا سے براہِ راست ہوتا ہے اور اسی تعلق کے باعث زبانیں غیر ارادی طور پر پیدا ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ سماجی ضرورت کے تحت پروان چڑھتی ہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی منشور کے اصول و ضوابط عالمی سطح پر مبنی ہیں اس وجہ سے ان میں قومی اتحاد و اشتراک کی گنجائش بہت ہے۔ لہٰذا ہندوستان کی مقامی قوموں کے اشتراک اور باہمی ارتباط نیز ہندوستان کی مختلف بولیوں کے آپسی اختلاط و امتزاج نے زبانِ اردو کو جنم دیا۔

اُردو اور پاکستانی زبانوں کے باہمی عناصر:

پاکستان میں اردو کی صورتِ حال جیسی بھی ہو سخن فہمی برقرار ہے۔ یہاں بازاروں سے لے کر ایوانوں تک اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس میں انگریزی کے الفاظ اور جملے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک ہم خود کو ہر قسم کے تعصب سے پرے رکھ کر اردو کی سماجی، لسانی اور تہذیبی صورت حال کا از سرِ نو

جائزہ نہیں لیتے اس وقت تک زبان کے ساتھ انصاف نا ممکن ہے اور مشترکہ تہذیبی و رثہ کا احیا بھی ممکن نہیں۔ زبانیں انسان کی امتیازی صفات کے ساتھ ساتھ سماجی اور تہذیبی عناصر کی مظہر بھی ہوتی ہیں۔ اس سے ماورا رہ کر ہم زبان کے تعلق سے سماجی تشکیل اور اس کی معنویت کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ کیوں کہ زبان ہمارے سماجی، تہذیبی، فکری اور تعلیمی رشتوں سے ہی پہچانی جاتی ہے اور یہی وہ زمین ہے جسے اساس قرار دیتے ہوئے زبان کی قدرو قیمت کا تعین کرتے ہیں۔ پس اردو زبان و ادب کی جڑوں کا پاکستان کی فضا، فکر اور مزاج سے استوار ہونا ایک لازمی امر ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اردو ادب میں ملی رجحانات کے خدوخال زیادہ نمایاں ہونے لگے اور اردو ادب میں نمایاں طور پر ایک ایسے تخلیقی رجحان کا آغاز ہوا جسے پاکستانیت سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ سندھی ادب سیمینار جام شورو (منعقدہ ۱۹۸۴ء) میں سندھ کے عظیم محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اپنے صدارتی خطبے میں پاکستانی ادب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں

-

> "پاکستانی ادب اردو اور ملک کی دوسری زبانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے ادب کے دائرے میں پاکستان کی سب زبانیں ہماری اپنی زبانیں ہیں اس لیے فقط اردو ادب کو قومی کہنا عقلمندی کی بات نہیں کیونکہ اسی سبب سے یہ اثر پختہ ہو جائے گا کہ ملک کی دوسری زبانوں کے ادب کو قومی ادب نہیں سمجھا جاتا اس سوچ کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ اردو ملک کی دوسری زبانوں سے نفسیاتی طور پر الگ ہوتی رہے گی۔ پاکستانی ادب ملک کی جملہ زبانوں کا مشترک خزانہ ہے اگر ہم خلوص دل سے وطن دوست بن کر لسانی برادری اور رواداری کے اس نظریہ پر عمل کریں گے اور اس کو آگے بڑھائیں گے۔ تو ملک کی جملہ زبانوں کے ادب کو پاکستانی ادب کے دائرے میں ایک قابل فخر مقام حاصل ہو گا۔"6

قیام پاکستان کے بعد اردو، سیاسی، فکری، تاریخی تناظر میں فطری طور پر پاکستان کے ساتھ مربوط ہو گئی۔ اس تمام عمل دوسری ساری پاکستانی زبانوں کا کلیدی کردار ہے۔ اُردو اور پاکستانی زبانوں کے عناصر گہرے اور مستحکم ہیں۔ کیوں کہ

اُردو اور دیگر پاکستانی زبانیں لسانی اعتبار سے سگی بہنیں ہیں۔ ان کا ربط باہم بھی سگی بہنوں جیسے ہیں۔ ان کا اصل و نسل اور ساخت ایک ہی ہے اور رسم الخط نیز ذخیرہ الفاظ میں بھی یکسانیت ہے۔ وارث سرہندی لکھتے ہیں۔

"کسی بھی زبان کی بُنیاد کوئی باہر کی زبان نہیں ہو سکتی جو زبان جس مُلک میں پید
ا ہوتی ہے اُس کی زبان اُس ملک کی کوئی زبان اور مقامی بولیاں ہو سکتی ہیں۔
چونکہ اُردو کا مولد و منشا بر عظیم پاک و ہند ہے۔ اس لیے لا محالہ اُردو کی بُنیاد
سنسکرت اور دوسری پراکرتیں ہو سکتی ہیں۔ رہا غیر زبانوں سے اخذ و قبول تو یہ
ثانوی بات ہے۔ اور زندہ زبانوں میں یہ لین دین ہوتا ہی رہتا ہے۔"7

ہر زبان کا دیگر زبانوں سے قریبی تعلق ہونے کے باعث متعدد الفاظ مُستعار لیے جاتے ہیں۔ اس طرح زبانوں کے اشتراک کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اشتراک اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ بعض اوقات الفاظ کا تعین ناممکن ہو جاتا ہے۔ یعنی الفاظ کے اخذ و قبول کا معاملہ اس قدر مُشکل ہوتا ہے کہ الفاظ ہر زبان کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ قومی زبان اُردو کے علاوہ دیگر پاکستانی زبانیں بظاہر الگ الگ ہونے کے باوجود مربوط اور یک رنگ نظر آتی ہیں۔ اُردو نے سندھی، سرائیکی، پنجابی، پشتو اور براہوی کے بیشتر اثرات قبول کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو اور پاکستان کی دوسری زبانوں کے قواعد ہم آہنگ ہیں اور ذخیرہ الفاظ بھی مشترک ہیں۔

اُردو اور علاقائی زبانوں کا رشتہ دراصل ایک ہی خون، رنگ و نسل، ایک ہی زمین، ایک ہی اندازِ فکر اور ایک ہی طرز ادا کا ہے۔ دورِ حاظر سے لے کر قدیم زمانے تک سُراغ لگاتے جائیں یو یہ رشتے پوری طرح واضح ہوتے جائیں گے۔ اُردو اور علاقائی زبانیں ایک دوسرے کی حریف ورقیب نہیں بلکہ عزیز ورفیق ہیں۔8

اُردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کے عناصر باہم مشترک ہیں۔ ان میں الفاظ کا معنوی اور صوتی اِمتزاج اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان زبانوں کے بولنے والے تاریخ کے کسی نہ کسی دور میں ایک ساتھ مل بیٹھے ہوں گے۔ اُردو اور پنجابی کے لسانی رشتے کے بارے میں عین الحق فرید کوٹی لکھتے ہیں۔

" جب ہم اُردو زبان کے لغوی سرمائے اور صرف و نحو کا موازنہ برِ صغیر کی
موجودہ زبانوں سے کرتے ہیں تو جو زبان اِس کے سب سے زیادہ نزدیک نظر
آتی ہے وہ پنجابی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ صرف و نحو کے اعتبار
سے پنجابی کے علاوہ کو دوسری زبانُردو سے گہری مطابقت نہیں رکھتی۔" 9

عین الحق فرید کوٹی کے مطابق اُردو زبان کے نزدیک سب سے زیادہ جو زبان ہے وہ پنجابی زبان ہے کیوں کہ ان کے صرف و نحو کے علاوہ بہت سے عناصر باہم مشترک ہیں۔ ''ڈاکٹر وحید قریشی ''اُردو اور پنجابی کے یکساں لسانی رشتے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> '' اُردو اور پنجابی کے لسانی سانچے یکساں ہیں۔ ہند آریائی زبانوں سے تعلق ہونے کی وجہ سے دونوں زبانوں کی صرف و نحو ہی نہیں بلکہ بیشتر الفاظ کا ذخیرہ بھی مشترک ہے۔''(10)

پنجابی اور اُردو کے مشترک عناصر مندرجہ ذیل ہیں۔ جنہیں قواعد کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

☆مصدر کا قاعدہ دونوں زبانوں میں ایک ہی ہے۔یعنی علامت امر کے آخر میں بڑھادی جاتی ہے۔

☆ اکثر الفاظ جو ''الف'' پر ختم ہوتے ہیں مثلاً لڑکی تانیثیت کی صورت میں ''ی'' پر ختم ہوتے ہیں۔ جیسے پنجابی میں کُڑی منڈا وغیرہ۔

☆اِسمائے صفات دونوں زبانوں میں ''الف'' پر ختم ہوتے ہیں۔ مثلاً اُونچا اور اُچا، سیدھا اور سدھا وغیرہ۔

☆ فعل ماضی، فعل حال اور فعل مستقبل کے اُصول دونوں زبانوں میں تقریباً ایک جیسے ہیں۔

☆ فعل اَمر کا قاعدہ دونوں زبانوں میں یکساں ہے۔

☆اُردو اور پنجابی کے رسم الخط اور حروفِ تہجی میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

☆ پنجابی کے بامعنی الفاظ اور محاورات اُردو زبان میں بھی اُن ہی معنی میں اِستعمال ہوتے ہیں جن معنوں میں وہ پنجابی میں اِستعمال ہوتے ہیں۔

اُردو اور پنجابی کے باہم مشترک عناصر:

ایسے افعال و الفاظ مثلاً آکھنا، اوڑنا، لڑنا، کھیر وغیرہ ہائے ملحوظ الفاظ ''دیں''قِم کا اَمر ''سی''قِم کا مستقبل وغیرہ جو آج پنجابی میں رائج ہیں دکنی اور قدیم اُردو میں عام طور پر مُستعمل تھے۔ اِسی طرح اُردو کے ''محاورات'' دِن دھاڑے، ہلنا جُلنا، چُپ چپاتا، ہال وال وغیرہ۔ اُردو خواں ان کے جزو ثانی کو تابع کو طابع مہمل کہنے کے عادی ہیں۔ مگر پنجابی زبان میں یہ الفاظ بامعنی ہیں اور آج بھی استعمال میں آرہے ہیں۔ اُردو کی ''اِضافت''کا، کے، کی اگرچہ فی زمانہ اُردو کے ساتھ تو مخصوص ہے۔ پنجاب کے دیہات و قصبات نیز دیگر اسماء کے ساتھ اب تک بھی موجود ہے۔ الغرض یہ امور اردو اور پنجابی زبانوں کے باہمی عناصر کی دلیل ہیں۔ '' الف لاحقہ ''اُردو میں ایسا الف ہے۔ جو اکثر خَتمے کے غرض سے بڑھا دیا

جاتا ہے۔ اُردو پنجابی اس الف پر اس قدر مُضر ہیں کہ جہاں کہیں یہ صَرف موجود ہے اصل کلمہ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ حطا کہ غیر زبانوں کے الفاظ میں یہ عمل جاری رہتا ہے۔ مثلاً مُرج سے مُرغا۔ بھوس سے بھوسا، نیول سے نیولا۔ اس سے اُردو اور پنجابی کے مشترک عناصر اور واضح نظر آتے ہیں۔ اور اس کی مزید وضاحت ان زبانوں کے چند مشترک الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔

اُردو	پنجابی	اُردو
پنجابی		
کھانڈ	کھنڈ	ڈوب
ڈب		
لیموں	لِمبو	آٹھ
اٹھ		

ڈاکٹر وزیر آغا اُردو اور پنجابی کے رشتے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''اُردو زبان اور اس کے ادب سے پنجابی اور اس کے ادب کا وہی رشتہ ہے جو دریائے سندھ کے اُن پانچ دریائوں کا ہے جو پنجند کے مقام پر ایک ہی دھارے میں مُنتقل ہو کر بالآخر دریائے سندھ میں جا گرتے ہیں۔'' 11

ان تمام حوالوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہ سکتے ہیں کہ پنجابی اور اُردو زبانوں میں بہت حد تک مماثلت ہے اور دونوں زبانیں ایک دوسرے کے بغیر ادھوری ہیں۔

اُردو اور سندھی کے مشترک عناصر:

پاکستان بننے سے پہلے سندھ کے عوام کے دلوں میں اُردو کے سلسلے میں جو نرم گوشہ ملتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اسی وجہ سے اُردو اور سندھی کے مشترک عنصر اور لسانی روابط میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ ''شرف الدین اصلاحی'' نے لکھا ہے:

> ''اُردو اور سندھی برِصغیر کی دو ایسی زبانیں ہیں جن میں بہ ہمہ وجوہ لِسانی اشتراک اور اِرتباط پایا جاتا ہے۔ اور ان کا صوتی نظام بڑی حد تک ہم آہنگ ہیں اور ان کے قواعد (صرف و نحو) میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔'' 12

اُردو اور سندھی کے لسانی روابط:

اُردو اور سندھی میں یگانگت و یکجہتی اس لیے ہے کہ ان کی تاریخ مشترک ہے ان کی سہہ ہزار تاریخ نے انہیں اصل مذہب، وطن اور تہذیب و تمدن کے گوں ناگوں رشتوں میں منسلک کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھی اور اُردو ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جسے ماہرینِ لسانیات ''ہند آریائی'' کہتے ہیں۔ ''ڈاکٹر عطش دُرانی'' نے لکھا ہے:

> ''سندھی اور اُردو میں نہ صرف تاریخی نقطہ نظر سے اشتراک ہے بلکہ ضرورت کے وہ اِلفاظ جو روزمرہ کے کاروبار میں شامل ہیں، تھوڑی سی ردوبدل کے ساتھ مروج ہیں۔'' 13

سندھی اور اُردو کے مشترک عناصر میں صرف و نحو کے درج ذیل اُصول خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

☆اُردو میں جن الفاظ کے آخر میں ''ی'' مونث کے لیے ہوتی ہے سندھی میں بھی یہی اُصول کار فرما ہے۔ مثلاً کھاری، ٹوکری، گاڑی وغیرہ۔

☆اُردو میں بعض الفاظ کے آخر میں ''ی'' مرکز سے پہلے بھی استعمال ہوتی ہے تو سندھی میں ایسے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں مثلاً پانی وغیرہ۔

☆ایسے عربی الفاظ جن کے آخر میں ''ت'' ہو تو وہ اُردو کی طرح سندھی میں مونث سمجھے جاتے ہیں مثلاً عزت، حکمت، قدرت وغیرہ۔

☆اُردو میں حروف اِضافت کے لیے ''کا'' اور ''کی'' سندھی میں ''جو'' اور ''جی'' استعمال کیا جاتا ہے قواعد کی رو سے زبان کو تین حصوں میں سمجھا جاتا ہے۔(اسما، افعال، حروف)

تبادلہ اور لین دین ہمیشہ اسماء میں ہوتا ہے جبکہ افعال اور حروف وہیں رہتے ہیں اس وقت سندھی بلخصوص تحریر کی زبان اُردو اسے اس قدر قریب آچکی ہے کہ افعال اور حروف کے ربط کو علیحدہ کر دیا جائے تو دنوں میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے سندھی اہلِ زبان اپنی سندھی تحریروں میں اشعار اور ضرب المثال وغیرہ آجکل اس بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں جس طرح کہ ہم عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ موجودہ اُردو میں بہت الفاظ ایسے ہیں جو توابع کی حیثیت سے آتے ہیں مگر عموماً انہیں مہمل سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ سندھی میں وہ با معنی موضوع الفاظ اور مُستقل حیثیت کے مالک ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

اُردو	سندھی	اُردو
سندھی		

گوراچٹا	چٹو(سفید)	بھلاچنگا
	چنگو(تندرُست)	
ڈوب	یڈ(ڈوبنا)	سونا
	سون(دھات)	
نشان	نِشان	مینہ م
	ہینو(بارش)	

''سید روح الامین کے مطابق اُردو کی جڑیں فارسی (سندھ) کی سرزمین میں پیوست ہیں اور ایک مختلف سلامی تہذیب کے اظہار کا آلہ ہے۔''(14) ُدو

کشمیری اُردو کے مشترک عناصر:

کشمیری میں ڈوگرہ راج کا آغاز ایسے وقت میں ہوا جب اُردو ہندوستان میں ابتدائی تشکیلی طے کرتے ہوئے ایک واضح اور زبان کی شکل اختیار کر چکی ہوئی تھی لہٰذا سکھوں کے عہد میں دربارِ لاہور سے وابستگی کے باعث پنجاب سے اُردو ادب وصحفت کی نئی اُٹھنے والی تحریکوں نے جموں کی راہ بھی لی تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان سے شعر وادب کی روایت بھی مختلف ذریعوں سے جموں اور کشمیر میں روشناس ہونے لگی تھی۔ کشمیر میں ابتداء میں ناگ لوگ آباد تھے جن کا ایک قبیلہ بروشکی بولتا تھا اُن لوگوں کے ساتھ پساچہ لوگوں کا واسطہ پڑا تو ایک نئی زبان وجود میں آئی اس طرح جب آیا تارک الدنیا لوگ دریائے جہلم کے آرپا آباد ہوگئے تو سنسکرت بھی کشمیر پہنچ گئی۔ کشمیر کا تہذیبی اور معاشرتی رشتہ شور سینی اپ بھرنش سے ہے۔ کشمیری زبان مشرقی پنجابی اور مغربی ہندی سے بھی متاثر رہی۔ اُردو اور کشمیری اپنی نشو نما کے مرحلوں میں ایک دوسرے کے مشترک عناصر کو قبول کرتی ہے

تقابلی السنئہ: کا یہ اُصول ہے کہ دو زبانوں کا تعین یا تو الفاظ کے بعینہ اشتراک میں ہوتا ہے یا قریبی مشابہت میں۔ چند مشابہ الفاظ درج ذیل ہیں۔ (معشوق، رفیق، دوست، محرم، ستم گر، سنگدل، بے وفا، مجنوں، دیوانہ، سراب، عذاب)وغیرہ۔ ''فتح محمد ملک ''اُردو اور کشمیری کے باہمی روابط کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> '' یہ سب الفاظ جدید کشمیری شاعری کی روح اور جزولاینفک ہیں۔ اگر ان کو اُردو یا کشمیری زبان سے علیحدہ کر دیا جائے تو ان زبانوں کی کوئی حیثیت نہ رہے گی۔'' 15

کشمیری زبان کا اُردو کے ساتھ سب سے بڑا تعلق یہ ہے کہ جن حالات کے پیشِ نظر اُردو وجود میں آئی ہے بالکل انہیں حالات کے پیشِ نظر کشمیری زبان نے بھی جنم لیا۔ ''پروفیسر محی الدین ''کشمیری زبان ابتداء میں دراوڑ یزبان کی ایک شاخ کی حیثیت سے رہی ہے۔ کشمیر میں پاس پڑس کے لوگوں کی آمد ورفت سے یہ زبان بتدریج پروان چڑھتی رہی۔'' 16

کشمیر مین فارسی، عربی اور دوسری زبانین بولنے والے بتدریج حکومت کرتے رہے۔ جس سے کشمیری زبان متاثر ہوتی رہی۔ چوں کہ ملک نے زیادہ وقت ہندوؤں کی غلامی میں گزارہ اس لیے سنسکرت کا اس زبان پر اثر بہت زیادہ رہا ہے۔

☆ کچھ الفاظ جو واحد اور جمع میں (اُردو) میں بدستو بولے جاتے ہیں کشمیری زبان میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً دوست، چوپان، گلاب، بادام وغیرہ۔

☆ جہاں اُردو میں ''آں'' سے جمع بناتے ہیں اور ''ہ'' کو بڑھادیتے ہیں (کشمیری میں) مثلاً اُردو میں لڑکیاں کشمیری میں بڑھا کے ''لڑکیہ''

☆ اسی طرح عربی لفاظ جن کے آخر میں ''ع'' ہوتا ہے جب ان کے بعد ''صرف ربط'' آتا ہے تو ''ع'' کے بعد ''ی'' بڑھادیتے ہیں جیسے مصرع میں مصرعے، قلعہ سے قلعے، اور کشمیری میں مصرع سے مصرعہ جمع کی صورت میں نہ کشمیری میں بدلتے ہیں نہ اُردو میں۔

☆ بعض غیر زبانوں کے اسم جیسے اُردو میں دریا، ہما، صحرا، سمندر وغیرہ جمع بننے وقت تبدیل نہیں ہوتے دونوں زبانوں میں یکساں رہتے ہیں۔ اسی طرح کشمیری اور اُردو میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو معمولی سی ردوبدل کے ساتھ بولے جاتے ہیں مگر بولتے وقت وہ ایک ہی محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے

اُردو	کشمیری	اُردو	کشمیری
سے	ساہتہ	میں	منز
تو	تہہ	بھی	بھیہ
اوہو	توبہ	دو	زہ

اسی طرح بہت سے اور بھی الفاظ جو بولتے وقت اور لکھتے ہوئے یکساں ہی لگتے ہیں:

اُردو	کشمیری	اُردو
		کشمیری

خربوزہ کھایا خربوزہ کھیو خط لکھا

خط لیو لکھ

معمولی ردوبدل کے ساتھ الفاظ آپس میں مل گئے ہیں دونوں زبانوں کے الفاظ ایک دوسرے میں اس طرح سرائیت کر گئے ہیں کہ اگر ان کو ایک دوسرے سے الگ کریٔ تو زبان اپنی ہیت کھو دے گی۔ ایسے ہی الفاظ اُردو کشمیری کے مشترک عناصر کو ظاہر کرتی ہیں۔

بلوچی اور اُردو کے مشترک عناصر:

بلوچی زبان صدیوں اور ہزار سالوں سیفارسی، سندھی، پشتو اور پنجابی زبانوں سے میل جول رکھتی چلی آرہی ہے۔ اس لیے ایرانی سرحدوں کے قریب رہنے والے بلوچوں کی زبان پر سندگی، پنجابی اور سرائیکی کا کم و بیش اثر ضرور نظر آتا ہے۔ بلوچی ایک آسان اور عوامی زبان ہے۔ نہ تو اس کی تراکیب میں بھاری پن ہے نہ فقروں میں اُلجھاؤ پایا جاتا ہے اور نہ ہی اسماء مرکز و مونث کا مسئلہ درپیش ہے۔ بلوچی زبان کو تحریر میں لانے کے لیے جو حروفِ تہجی مُستعمل ہوتے ہیں اور جو رسم الخط استعمال کیا جارہا ہے۔ اسے اُردو املائی نظام کا حصہ کہا جاسکتا ہے۔ ''انعام الحق کوثر'' کے بقول:

> ''اہلِ بلوچستان کے لیے اُردو زبان کی طرف مائل ہونا صرف اس زبان کے بُنیادی مزاج ہی کے باعث آسان نہ تھا۔ بلکہ خود اہلِ بلوچستان کا مزاج بھی لِسانی تغیر کے لیے برِصغیر میں سب سے زیادہ موضوع تھا۔'' 17

☆ بلوچی تحریر اُردو کی طرح خطِ نستعلیق میں لکھی جاتی ہے۔

☆ اُردو حروف تہجی میں اٹھارہ حروف بلوچی زبان کے بنیادی حروف شمار کیے جاتے ہیں۔

☆ بلوچی کے صوتی نظام کے باعث ث، ص، ض، ظ، ظ، ع کو بنیادی حروف سے حذف کر لیا گیا ہے۔ ان حروف کو بلوچی متشابہ آوازوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً ''ث'' ک ''ص'' میں ''ض'' کو ''ظ'' میں ''ح'' کو ''ہ'' میں ''ق'' کو ''ک'' میں بدل کر تحریر کیا جاتا ہے۔

☆ حذف شدہ حروف کو خاص طور پر ناموں کو لکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً عطا شدہ میں عطا، گُل خان میں گُل اور عزیز بھٹی میں عزیز وغیرہ۔

اُردو اور بلوچی میں قریبی تعلق کا اظہار اس بات سے بھی عیاں ہوتا ہے کہ دونوں زبانوں کے الفاظ میں کافی اشتراک پایا جاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان زبانوں کو باہم ملنے جُلنے اور قریب تر آنے کا موقع ملا ہے۔ دونوں زبانوں میں بہت سے الفاظ مشترک ہیں۔

اُردو	بلوچی	اُردو
بلوچی		
اشارہ	اِشارگ	داروغہ
داروگہ		
کافور	کاپور	بہادُر
بادر		
آزاد	آزات	یاری
واری		
باغ	باگ	ایک
اک		
گوشت	گوشت	وقت
وفت		

''ڈاکٹر انعام الحق کوثر''اُردو بلوچی مشترک الفاظ کے بارے میں لکھتے ہیں ''بلوچی الفاظ اُردو میں نگینے کی طرح جُڑے ہیں۔''18

بلوچوں نے اُردو بولتے وقت بلوچی فقروں کا اُردو میں ویسے ہی ترجمہ کرنا شروع کیا جیسے۔ ''لاگ ء آچ گپت''بمعنی گھر نے آگ پکڑا یعنی گھر کو آگ لگ گئی۔ اس طرح بہت سے بلوچی محاوروں کا اُردو میں ترجمہ کیا گیا۔ ''دُنیا سر د راج انت''یعنی دُنیا کا سر اُنچا ہے۔ زبانوں میں بھی راج پا رہی ہیں۔ مثلاً مُختصر افسانہ، ایک باب کا ڈرامہ، نئی طرز کی نظمیں، بلوچی میں پہلے غزل نہیں تھی۔ یہ سب چیزیں بلوچی زبان نے اُردو سے لی ہیں۔ اس طرح بلوچی اور اُردو ایک دوسرے سے استفادہ کرتے کرتے ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو گئی ہیں کہ اگر ایک کو دوسری سے الگ کر دیا جائے تو دونوں کی ماہیت ہی تبدیل ہو جائے گی۔

اُردو اور پشتو کی مشترک عناصر:

پشتو اور اُردو کے لسانی اور ادبی رشتے اور رابطے میں جو بات سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں لسانی اور ادبی صورتوں میں فارسی کا جامع اثر نظر آتا ہے۔ جیسے خیالات، اخلاص، خاطر، روزی، بدل وغیرہ۔ یہ تمام الفاظ اصطلاحاً فارسی زبان کے ہیں اور فارسی ہی سے یہ پشتو اور اُردو میں جگہ پا گئے ہیں۔ فارسی اور پشتو کا تعلق بہت قدیم ہے۔ ماہرینِ لسانیات کے مطابق ان کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔ ان کا ادبی تعلق معاشرتی اعتبار سے بہت مُعتبر گردانا جاتا ہے۔

پشتو زبان کی جڑیں تقریباً پانچ ہزار قبل مسیح باختر اور وسط ایشیاء میں بولی جاتی ہونگی۔ اوستا، پہلوی، فارسی، سنسکرت، ہندی اور دیگر پراکرتوں اور بولیوں میں پشتو کے بے شمار الفاظ آج بھی موجود ہیں۔ پشتو زبان کے حروفِ تہجی اُردو سے ملتے جُلتے ہیں۔ کچھ مخصوص حروف اُردو کی نسبت زائد موجود ہیں۔ پشتو کے اکثر حروف اُردو ہی کی طرح لکھے جاتے ہیں۔ جبکہ کچھ حروف لکھنے میں مُختلف ہیں۔ جن حروف میں اُردو میں "ط" مستعمل ہیں۔ مثلاً "ٹ"، "ڈ" ان حروف کو پشتو میں نیچے چھوٹا سا دائرہ جوڑ کر لکھا جاتا ہے لیکن یہ حروف آواز کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔ ذخیرہ الفاظ کے ہزاروں الفاظ ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے مشترک عناصر اور دونوں زبانوں کے ربط کو مضبوط بنانے میں مدد دیتے ہیں۔

"ڈاکٹر جمیل جالبی" نے پشتو اور اُردو کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

> "پشتو اور اُردو میں نہ صرف ذخیرہ الفاظ اور تہذیبی اثرات کا بیشتر سرمایہ مشترک ہے بلکہ فارسی اثرات نے فکر و اظہار کی سطح پر دونوں زبانوں کو ایک دوسرے سے اور قریب کر دیا ہے۔" 20

اُردو اور براہوی کے مشترک عناصر:

آریائوں کے بلوچستان میں آنے کے بعد زبانوں کے اشتراک سے اُردو اور براہوی کا تعلق بھی گہرا ہوتا چلا گیا۔ تدریسی زبان ہونے کے باعث اُردو نے خاص طور پر براہوی کو متاثر کیا۔ "رشید اختر" لکھتے ہیں۔ "اس میں کوئی کلام نہیں کہ موجودہ وقت میں دراوڑی زبانیں صرف جنوبی ہندوستان میں بلی جاتی ہیں۔ شمال اور مغرب میں بروہی ان کی ایک تنہا نشانی سمجھی جاتی ہے۔" 21 براہوی اُردو کے قواعد صرف و نحو میں بھی کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔

☆ قدیم اُردو میں صفت کے ساتھ لاحقہ "ک" لگایا جاتا ہے یہ قاعدہ براہوی میں آج بھی مُستعمل ہے۔

☆واحد غائب کے لیے اُردو میں "وہ" کا استعمال ہوتا ہے۔اور براہوی میں "ہو" کا استعمال ہوتا ہے۔

☆اُردو میں "ہے" اور براہوی میں "اے" کا ماخذ ایک ہی ہے۔بلکہ ان کی جڑیں ایک ہی زبان سے جاملتی ہیں۔

اُردو اور براہوی کے بہت سے الفاظ مشترک ہیں جو ان کے باہم مشترک عناصر کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔"ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی" نے براہوی زبان کے بارے میں قول نقل کیا ہے۔

"ماہرین کا خیال ہے کہ براہوی زبان نہ تو آریائی ہے اور نہ چینی یا تبتی کی طرح ایک لفظی یا رک رُکنی ہے۔یہ سامی خاندان سے بھی تعلق نہیں رکھتی البتہ سامی زبانوں سے اس کا تعلق ضرور معلوم ہوتا ہے۔" 21

مندرجہ ذیل سے اُردو اور براہوی میں گہرے لِسانی اور ثقافتی روابط کا پتہ چلتا ہے:

اُردو	براہوی	اُردو
براہوی		
امرود	امروت	اُمید
اُمیت		
بغل	بغل	کوشش
کوششت		
پھیکا	پھکا	ہچکی
ہڑکی		

ان تمام حوالوں کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُردو اور براہوی کا نہ صرف تاریخی بلکہ ثقافتی اور لِسانی رشتہ انتہائی مظبوط ہیں ۔دونوں زبانوں کے مشترک عناصر، محاورے، اِستعارے ایک دوسرے میں گڈمُڈ ہیں۔جنہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا ناممکن ہے۔

اُردو اور سرائیکی کے مشترک عناصر:

☆اُردو اور سرائیکی میں صرف و نحو کا مطالعہ کیا جائے تو بہت اشتراک نظر آئیں گے:

☆اُردو کا مصدر "تا" پر ختم ہوتا ہے جبکہ سرائیکی میں مصدر "ن ط" پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ان دونوں کو سنسکرت کی "ن" مفتوح کی شکلیں کہا جاتا ہے

☆تذکیر و تانیث اُردو اور سرائیکی میں ایک ہی طریقے سے بنتے ہیں مثلاً جو مذکر ''آ'' پر ختم ہوتا ہے اس کی تانیث ''ی'' لگا کر بنائی جاتی ہے۔

☆اُردو اور سرائیکی میں اضافت فاعل کی مطابقت سے لگائی جاتی ہے۔

☆اُردو کی طرح سرائیکی میں بھی اسماء وصفات اور فاعل کے مطابق بلحاظ واحد و جمع اور تذکیر و تانیث اپنے موصوف اور فاعل کے مطابق ہوتے ہیں۔مثلاً ''اُچا گھوڑا'' سے ''اونچا گھوڑا''

☆ مشتق اور مرکب الفاظ بناتے ہوئے مقامی اثرات کے نتیجے مین کہیں کہیں معمولی اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اُصولوں میں فرق نہیں ہے۔

☆اُردو اور سرائیکی میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو بولتے وقت ایک سے لگتے ہیں مگر اُنھی میں معمولی سا فرق پایا جاتا ہے۔

اُردو	سرائیکی	اُردو	سرائیکی
کیچڑ	چکر	لکیر	لِیک
تگڑا	تکرا	مرحم	ملم
لگام	لغام	لٹو	لاٹو

ان تمام زبانوں کا جائزہ لیتے ہوئے ہم کہ سکتے ہیں کہ قومی زبان اور علاقائی زبانوں مین بہت سے عناصر و عوامل مشترک ہیں۔ان زبانوں کا گہرا لِسانی رشتہ ہے اور یہ تمام زبانیں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔احمد ندیم قاسمی نے ایک انٹر ویو دیتے ہوئے کہا تھا۔''اُردو کا مستقبل روشن ہے اگر پنجابی، سرائیکی، سندھی، براہوی، پشتو اور بلوچی ادب سے استفادہ کرتی رہے۔تو اُردو اور ترقی کرے گی۔'' 22 اس لیے ہم کہ سکتے ہیں کہ قومی زبان اُردو اور علاقائی زبانوں کے مشترک عناصر باہم ایک ہیں۔

حوالہ جات

1۔القران،۳۰:روم:۲۲

2۔ مُحی الدین قادری زور'ڈاکٹر'ہندوستانی لسانیات'مکتبہ معین الکتاب'لاہور1950ص14

3۔ہادی حسین،''زبان اور شاعری''،شرکت پرنٹنگ پریس'لاہور1989،ص10

4۔ محمد نعیم اللہ خیالی،''اُردو ایک ہمہ گیر زبان''اترپردیش اُردو اکیڈمی،لکھنو،1985،ص11

5۔انور سدید،ڈاکٹر،اُردو ادب کی مختصر تاریخ،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1991،ص52

6۔نوازش علی،ڈاکٹر:قومی زبان اور علاقائی زبانیں مضمون مشمولہ اردو کانفرنس۱۹۸۷ءخانیوال،خانیوال ضلعی مجلس زبان دفتری۱۹۸۹ءص۴۸

7۔وارث سرہندی،''زبان وبیان''،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1989،ص195

8۔فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،''اُردو اور پاکستانی زبانیں''مقالہ پاکستانی ادب،پہلی جلد،فیڈرل گونمنٹ سرسید کالج،راولپنڈی ،۱۹۹۸،ص:۲۵۴۔

9۔عین الحق فرید کوٹی،''اُردو زبان کی قدیم تاریخ''اورینٹ ریسرچ سنٹر،لاہور،1979

10۔وحید قریشی،ڈاکٹر،''پاکستان قومیت کی تشکیلِ نو''،مُقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،2010،ص99

11۔وزیر آغا،ڈاکٹر،''نئے مناظر''اورینٹ ریسرچ سنٹر''لاہور،1981،ص92

12۔شرف الدین اصلاحی،''اُردو سندھی کے لسانی روابط''مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1987،ص:82

13۔ عطش دُرانی،ڈاکٹر،مرتبہ،''پاکستانی اُردو کے خدوخال''مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1997،ص201

14۔روح الامین،سید،''اُردو ایک نام محبت کا''،عزت اکادمی،گجرات،2005،ص138

15۔فتح محمد ملک،پروفیسر،مرتبہ،پاکستانی زبانوں کا ربط باہم''مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،2005ص285

16۔ محی الدین حاجنی،پروفیسر،''کشمیری زبان وادب کا مختصر جائزہ''،مشمولہ،''کشمیری اور اُردو زبان وادب کا مختصر تقابلی جائزہ''مرکزی اُردو بورڈ،لاہور،1982،ص20

17۔انعام الحق،ڈاکٹر،بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ''،مُقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1991، ص111

18۔ انعام الحق،ڈاکٹر،بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ"،مُقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1991، ص112

19۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،"تاریخ ادب اُردو"،جلد اول، مجلسِ ترقی ادب،لاہور،2005،ص23

20۔ رشید اختر ندوی،"پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان"،مُقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1995،ص197

21۔ عبد المجید سندھی،ڈاکٹر،"لسانیاتِ پاکستان"،مُقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1992،ص371

22۔ احمد ندیم قاسمی،انٹرویو،روزنامہ خبریں،"سنڈے میگزین"۲۵جولائی2004،ص7